کرنل (ریٹائرڈ) محمد اعظم

دار العلوم حقانیہ اور اس کے داعی

مرد سپاہی ہے وہ اس کی زرہ لا اللہ
سایہ شمشیر میں اس کی پنہ لا اللہ

مساجد اور مدارس اسلامیہ نے مسلمان سلاطین کے عہد حکومت میں مسلم امہ کی تعلیم میں مرکزی کردار ادا کیا ہے۔ ہندوستان میں مسلم سلاطین کے عہد میں وہ مسلمان بچے جو قرآن کریم پڑھنے کیلئے مسجد کے مولوی صاحب کے پاس بھیجے جاتے تھے کہ وہ قرآن مجید پڑھنا سیکھیں۔ وہ بچہ جو مسجد مکتب میں قرآن پاک پڑھ گیا بہت تھوڑی سی کوشش سے فارسی حروف تہجی پڑھ لیتا تھا۔ فارسی اس وقت سرکاری زبان تھی اور اس کا سیکھنا چنداں مشکل نہ تھا۔ انہی وجوہات کی بنا پر اس زمانے میں مسلمانوں میں تعلیم کی اوسط تقریباً ۶۰ فیصد کے لگ بھگ تھی جو کہ انگریزوں کے عہد حکومت میں ۱۶ فیصد اور آجکل ۴۵ فیصد ہے۔ مزید اعلیٰ تعلیم کے لئے مسلم طلبہ دار العلوم کو بھیجے جاتے تھے۔ جو کہ مختلف اہم مقامات پر ملک کے اندر قائم کئے جاتے تھے۔ یہ دار العلوم اپنے وقت کے معروف علماً کے زیر نگرانی چلتے تھے اور طلبہ کو مفت خوراک، رہائش کے علاوہ مفت تعلیم بھی مہیا کرتے تھے۔ جس میں متفرق مذہبی اور دوسرے مضامین پڑھائے جاتے تھے۔ ہندوستان میں رہنے والے ہندوؤں کی تعلیمی حالت یوں نہ تھی بلکہ بے حد ابتر تھی کیونکہ ہندو مذہب میں گیتا اور ویدوں کا پڑھنا صرف برہمن کا حق تھا اس سے کم کسی دوسرے درجے کے ہندو کو کسی مذہبی کتاب کو ہاتھ لگانے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ یہاں تک کہ نچلے درجہ کے ہندو شودھر کو گیتا اور وید کے اشلوک سننے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ پڑھنا لکھنا صرف برہمن ہی کا حق سمجھا جاتا ہے۔ ان حالات میں ہندوؤں کی تعلیمی حالت کا اندازہ لگانا مشکل نہ ہونا چاہیے۔

اس زمانے میں مسلمانوں نے ہندو بچوں کو مسجد مکاتب میں تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دے رکھی تھی اور ہندوستان بھر میں ہزاروں ہندو طلباً مسجد مدارس اور دار العلوم میں زیر تعلیم تھے مسلمانوں کی مذہبی رواداری، کشادہ دلی اور مساوی سلوک کا اندازہ اسی ایک بات سے لگ جانا چاہیے کہ مسلمانوں کی حکومت نے ہندوؤں کے ساتھ کیسا سلوک کیا۔ اپنے بزرگوں سے میں نے سنا ہے کہ کپڑے کا ایک ہندو بیوپاری جس کا تعلق اکوڑہ سے تھا مسجد مدارس میں طلباً کو مثنوی مولانا روم پڑھایا کرتا تھا سعدی کی گلستان اور بوستان ہم نے خود ہندوؤں کی زبانی سنی ہے جو انہوں نے ظاہر ہے کسی مسجد مکتب کے استاد سے ہی پڑھی ہوگی۔ وقت وقت کی بات

ہے۔ اپنے بچپن میں اپنی دادی نانیوں کو اخبار اور کتابیں پڑھتے ہوئے دیکھ کر ہمیں حیرت ہوتی تھی کہ پرانے زمانے میں جب گاؤں میں لڑکیوں کے سکولوں کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا انہوں نے لکھنا پڑھنا کہاں سے سیکھا بڑی حد تک ان کی تعلیم کا منبع قرآنی قاعدہ اور قرآن کریم کی تعلیم تھا جس نے انہیں لکھنا پڑھنا سکھادیا۔ ظاہر ہے اس میں ان کی اپنی دلچسپی اور ہمت بھی شامل رہی ہوگی۔ مسلمانوں کی حکومت کے خاتمے کے ساتھ ہندوستان میں گویا معاشرتی قدریں تبدیل ہوگئیں اور انگریز اپنا نظام تعلیم لے آئے۔ تاکہ ہندوستانیوں میں ایک ایسا طبقہ معرض وجود میں لاسکیں جو کہ ان کے انتظامی امور مملکت چلانے میں ان کی مدد کرسکے اور ان کا وفادار بھی ہو۔

ہندو چونکہ تعلیم کے میدان میں شدید محرومی کا شکار تھے اس لئے انگریزی تعلیم کے لئے سب سے پہلے لبیک انہوں نے کہا مسلمان چونکہ حکومت کھو چکے تھے اور انگریزوں کو غاصب سمجھتے تھے اس لئے وہ انگریزی تعلیم سے دور ہے اور ان کی توجہ کا مرکز مسجد مکتب اور دار العلوم ہی رہے۔ انگریزی تعلیم سے مسلمانوں کی یہ نفرت بیسوی صدی کے شروع تک رہی اس میں کچھ کمی سرسید کی تحریک انگریزی پڑھو کے بعد آئی مگر مسلم علماً سرسید سے متفق نہ ہوئے اور ملک میں مختلف مقامات پر دار العلوم کی جاری تعمیر و تاسیس اس بات کی شاہد ہے کہ مسلم علمائے دین انگریزی حکومت سے برسرپیکار رہے تاکہ اپنی مذہبی ' معاشرتی ' معاشی اور ثقافتی ورثے اور روایات کی حفاظت کر سکیں جو کہ مغربی تہذیب کے سیلاب میں تباہ ہوتی ہوئی نظر آرہی تھیں ہندوستان کے بٹوارے کے بعد اسلام کے نام پر حاصل کئے جانے والے ملک پاکستان کے لئے ایسے اداروں کی اشد ضرورت محسوس کی گئی کیونکہ مغربی اثرات کے آگے بند باندھنے کی ضرورت نہ صرف موجود تھی بلکہ بڑھ گئی تھی۔

اس چیلنج کو قبول کرنے کے لئے پاکستان بننے کے بعد پہلا ادارہ جو قائم ہوا وہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک تھا۔ جس کے داعی مولانا عبدالحق" جو دیوبند کے فاضل تھے اور وہاں ۱۹۴۷ء تک پڑھاتے رہے۔ تقسیم ہند کے بعد جب سفر کی آسانیاں اور سہولتیں ختم اور سفری مشکلات پیدا ہوگئیں تو مولانا صاحب کو مجبور کیا گیا کہ وہ دیوبند کے طرز پر ایک دار العلوم اکوڑہ میں بھی شروع کریں۔ لہذا ستمبر ۱۹۴۷ء میں اپنے گھر کے نزدیک گاؤں کی مسجد میں مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے آٹھ طلباً کو انہوں نے درس دینا شروع کیا جس کی تعداد ۱۹۴۸ء میں ۳۲ تک پہنچ گئی اور سال بہ سال بڑھتی گئی جب کہ ضرورت ایسے انتظامات کی پیدا ہوئی کہ علیحٰدہ کلاس روم اور رہائش کا بندوبست کیا جائے۔ تاکہ دور دراز سے آنے والوں طالب علموں کے لئے قیام ممکن ہو سکے۔ لہذا گاؤں کی حدود میں ۱۸ اپریل ۱۹۵۴ء کو برلب جی ٹی روڈ دار العلوم حقانیہ کا سنگ بنیاد ڈیڑھ ایکڑ زمین پر رکھا گیا جو آج نصف صدی گزرنے کے بعد ایک بہت بڑے کمپلیکس یا اکیڈمی کا روپ دھار چکی ہے جس میں ایک ہزار طلباً کے لئے ہائی سکول ' درس نظامی کے طلبہ جن کی تعداد ایک وقت میں ۲۵۰۰ کے لگ بھگ ہوتی ہے کی مفت

تعلیم' رہائش اور کھانے پینے کا بندوبست موجود ہے۔ یہ بات باعث دلچسپی ہوگی کہ پاکستان کی کسی حکومت نے آج تک اس دار العلوم کی کوئی مالی مدد نہیں کی۔ بلکہ پچھلے پچاس سال سے یہ ادارہ صاحبِ ثروت لوگوں کے عطیات پر چل رہا ہے۔ اس وقت دار العلوم میں کمپیوٹر کی تعلیم بھی دی جا رہی ہے۔ دار العلوم حقانیہ اب اسلامی یونیورسٹی کا مقام حاصل کر چکی ہے اور اس کی موجودہ حیثیت مغرب کے پہلو میں ایک مستقل کانٹے کی طرح چبھ رہی ہے۔

اس وقت دار العلوم میں ۲۰ سٹاف کوارٹر ایک لائبریری' ایک دار الحفظ' ایک باقاعدہ شائع ہونے والا ماہانہ مجلہ "الحق" ای میل اور ویب سائٹ کی سہولتیں بھی موجود ہیں۔ ویب سائٹ ابھی زیر ترتیب ہے۔ جس میں تمام تفاصیل مہیا ہوں گی۔ اساتذہ کی تعداد ۲۲ ہے۔ اساتذہ کے لئے ۴۰ کوارٹر پر مشتمل ایک سٹاف کالونی زیر تجویز ہے۔ جس کی تعمیر پر ۸۰ لاکھ روپے خرچہ آئے گا۔

نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر — نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر
ہے مگر اس نقش میں رنگ ثبات دوام — جس کو کیا ہو کسی مرد خدا نے تمام

میں نہیں کہہ سکتا مسجد قرطبہ میں صدیوں بعد اذان دینے اور دو رکعت نفل نماز ادا کرتے وقت علامہ اقبال کے سامنے وہ کون سی مردان خدا شخصیات تھیں جنہوں نے علم و آگہی کے سوتے مسجد قرطبہ کی صورت میں نقش دوام بنا کر چھوڑے اور پھر ان سے مسجد قرطبہ جیسی عظیم الشان عمارت بنوائی اور علامہ اقبال سے مسجد قرطبہ جیسی شہرۂ آفاق نظم لکھوائی۔ میں جب بھی علامہ کی نظم مسجد قرطبہ پڑھتا ہوں۔ مولانا عبدالحق" کی شخصیت میرے سامنے آن کھڑی ہوتی ہے ۔ قارئین سے ملتمس ہوں کہ وہ بال جبریل میں شامل علامہ اقبال کی نظم مسجد قرطبہ ایک بار پھر غور سے پڑھیں اور ان مردان خدا کو تلاش کریں جن کا ذکر علامہ اقبال نے کیا ہے۔

عشق کا لفظ علامہ اقبال نے مسجد قرطبہ میں چودہ بار استعمال کیا ہے۔ عشق کا لفظ علامہ اقبال کے کلام میں سینکڑوں بار آیا ہے۔ علامہ کے نزدیک عشق ایک آفاقی جذبہ ہے جو اعلیٰ اور ارفع مقاصد کے حصول کیلئے کارآمد یکسوئی اور جدوجہد کے لئے درکار ہوتا ہے اور اس کے بغیر کوئی بڑے مقاصد حاصل نہیں کئے جا سکتے۔ لفظ عشق کے مجموعی اصطلاحی معنی کمٹ منٹ 'لگاؤ' 'لگن' 'حصول مقصد کے لئے فرزانگی یا جنون لئے جا سکتے ہیں۔

مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ایک معاصر مذہبی مکتب کے معاصر مجلے کے ایک مضمون میں صاحبِ مضمون نے عشق کے ڈانڈے جنسی ترغیبات سے جا ملائے ہیں' جو عربی لفظ عشق کے لغوی معانی کے لحاظ سے ٹھیک ہو تو ہو ہماری سوچ کے مطابق اس لفظ کو اس طرح غیر محترم گردانا یا بے توقیر کرنا شاید درست نہیں۔ ممکن ہے عربوں کے نزدیک عشق کا لفظ زیادہ باوقار اور محترم نہ ہو لیکن ہمارے ہاں اسے عربی لغت کے معنوں میں نہیں برتا گیا بلکہ اس کی توقیر کی گئی ہے اور اردو شاعری نے اسے ایک باوقار معانی عطا کئے ہیں۔ جو تصوف و طریقت

صوفیان کرام اور علمأ عظام ' مجاہدین اور اسلام کے دوسرے شعبوں سے سراسر زیادتی کے مترادف ہے۔ گو یہ لفظ قرآن اور حدیث میں کہیں استعمال نہیں کیا گیا پھر بھی اس کو اس طرح بے وقار کرنا مناسب نہیں جبکہ صوفیان کرام اور اولیائے اللہ اسے برتتے رہے۔ اس مضمون کو میں تنگ نظری کے سوا کچھ نہیں کہوں گا۔ عشق وہ نیک اور مستحسن جذبہ ہے جو آتش نمرود میں کود جانے کو بھی کارِ ثواب اور عین عبادت کا درجہ دیتا ہے۔ علامہ کہتے ہیں عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام۔ عشق دم جبرئیل عشق دل مصطفیٰ۔ عشق خدا کا کلام ' عشق خدا کا رسول '۔ مختصراً کہنے کا مقصد یہ ہے کہ مولانا عبدالحقؒ سے یہ کام ان کی مقصد سے لگن یا دوسرے لفظوں میں دین سے عشق نے کروایا۔ بقول علامہ اقبال ؂

تیرا جلال و جمال مرد خدا کی دلیل	وہ بھی جلیل و جمیل تو بھی جلیل و جمیل
اس کا سرور اس کا شوق اس کا نیاز اس کا ناز	خاکی و نوری نہاد بندہ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز	اس کی ادا دل فریب اس کی نگاہ دل نواز
نرم دم گفتگو ' گرم دم جستجو	رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاکباز

چونکہ مجھے مولانا مرحوم کو قریب سے چند ایک بار دیکھنے کا موقع ملا ہے اس لئے مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے علامہ اقبال نے یہ نظم مولانا عبدالحقؒ جیسے کسی مرد خدا کو ذہن میں رکھ کر لکھی ہے۔

مولانا مرحوم حسین و جمیل نورانی چہرہ رکھتے تھے ' نہایت نرم گفتار اور درویش منش عالم تھے گو انہوں نے گوشہ نشینی اختیار نہیں کی اور ملکی سیاست میں کھل کر حصہ لیا وہ تین بار نوشہرہ تحصیل کے اپنے حلقے سے ممبر قومی اسمبلی منتخب ہوئے۔ یہاں تک کہ ۱۹۷۰ء میں وہ پشاور ہسپتال میں بیمار پڑے ہوئے تھے جب مولانا مفتی محمود مرحوم نے انہیں مجبور کر کے جمیعت العلمأ اسلام کے ٹکٹ پر نوشہرہ کے حلقے سے انتخاب لڑوایا۔ جس میں انہوں نے اجمل خٹک جنرل سیکرٹری عوامی نیشنل پارٹی ' میاں جمال شاہ صدر نوشہرہ مسلم لیگ اور نصر اللہ خٹک وزیر اعلیٰ سرحد وغیرہ جو ان کے مدمقابل امیدوار تھے ' ہرادیا جس پر بھٹو صاحب نصر اللہ خٹک سے ناراض ہوئے کہ وہ وزیر اعلیٰ ہو کر کیوں ہار گئے اور اپنے چیئر مین والا کام جو اس نے مولانا جان محمد عباسی کے ساتھ کیا تھا کیوں نہیں کر سکے۔ دروغ بر گردن راوی سنا ہے خٹک صاحب نے کہا کہ جناب آپ نے مجھے ایک (پیغمبر) العیاذ باللہ کے مقابلے میں کھڑا کیا تھا پیغمبروں کو کون ہرا سکتا ہے۔ 1985 میں مولانا منتخب ہو کر قومی اسمبلی پہنچے تو انہیں یہ اعزاز حاصل تھا کہ انہوں نے قومی اسمبلی میں موجود سب ممبروں سے زیادہ ووٹ حاصل کئے تھے۔ 1973ء کے آئین کی ترتیب و تدوین میں تقریباً 200 مختلف ترمیمات مولانا صاحب نے آئین کے ڈرافٹ میں پیش کی تھیں جو کہ شامل کر لی گئیں۔ اور آج آئین پاکستان کا حصہ ہیں۔

کہتے ہیں انقلاب فرانس کے لئے ۱۰۰ فیصد کریڈٹ روسو اور والٹر کی تعلیمات کو جاتا ہے انقلاب افغانستان اور افغان جہاد کے محرک سو فیصد پاکستان کے اسلامی دار العلوم تھے افغان جہاد کے۔ لئے تمام لیڈر شپ انہی اسلامی مدارس نے مہیا کی اور مجاہدین کی ایک بڑی تعداد انہی مدارس کے طلباء پر مشتمل تھی جن میں اکثریت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ؒ کی شاگرد رہی تھی اور جہاد افغانستان کے اکثر بڑے قائدین 'دار العلوم حقانیہ کے فارغ التحصیل تھے سینکڑوں طلباء جنہوں نے افغان جہاد میں حصہ لیا۔ اور شہادت کے منصب پر سرفراز ہوئے۔ موجودہ طالبان حکومت کا تقریباً ۹۰ فیصد وزراء اور افغان عدلیہ عالیہ کے ممبر دار العلوم حقانیہ کے سابق طلباء ہیں اگر یہ کہا جائے کہ بے دین روسی حکومت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں اسلامی مدارس پاکستان کی تعلیمات کا کتنا بڑا ہاتھ تھا۔ تاریخ نے اس کو رقم کر دیا ہے۔ اور آنے والا تاریخ دان ان بوریا نشینوں سے انصاف کرے گا جن کے عشق نے پہاڑوں سے ٹکرا کر ان کو پارہ پارہ کر دیا تھا۔

وہ جوئے کہتاں اچکتی ہوئی
اٹکتی، لچکتی، سرکتی' ہوئی
سبک اس کے ہاتھوں میں سنگ گرائی
پہاڑ اس کی ضربوں سے ریگ رواں
رکے جب توسل چیر دیتی ہے یہ
پہاڑوں کے دل چیر دیتی ہے

مولانا صاحب مرحوم عمر بھر حدیث کا درس دیتے رہے اس لئے محسن انسانیت حاملِ خلق عظیم کے اقوال سے ان کا متاثر ہونا ایک قدرتی امر تھا جس نے مولانا صاحب کی زندگی کو ایک مثالی مسلمان کی زندگی بنا دیا تھا۔ مولانا کی مذہبی خدمات کو نہ صرف قبول عام کی سند علاقے کے عوام کی طرف سے حاصل رہی بلکہ حکومت پاکستان بھی وقتاً فوقتاً اس کا مظاہرہ کرتی رہی۔ جب 1981ء میں صدر پاکستان کی طرف سے شیخ الحدیث کو ان کی مذہبی خدمات کے صلے میں ستارۂ پاکستان کا ایوارڈ پیش کیا گیا اور پھر پشاور یونیورسٹی کی طرف سے الوہیت یا Di-vinely کے مضمون میں خدار سیدہ عالم دین کے طور پر انہیں Ph.d. کی اعزازی ڈگری دی گئی۔ یہ ستمبر 1972ء کی بات ہے۔ یہ مرد حق اپنے عشق کی منزلیں طے کرتے ہوئے 7 ستمبر 1988 کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام